© rasailojaraid.com

بدیع الزمان سعید نورسی کا کردار

عالمگیر جنگِ اوّل میں

از جناب ثروت صولت صاحب

جنگ طرابلس کے وقت سے سلطنت عثمانیہ بیرونی جارحیت کی مسلسل شکار ہو رہی تھی۔ جنگ طرابلس میں ترکوں کے ہاتھ سے پورا لیبیا نکل گیا۔ اس کے بعد ۱۹۱۲ء میں جنگ بلقان شروع ہو گئی جس کے نتیجے میں یورپ میں تقریباً ۵۵ ہزار مربع میل کا علاقہ، جس کی آبادی ۴۲ لاکھ تھی، سلطنت عثمانیہ کے قبضے سے نکل گیا۔[1] ان علاقوں میں آباد لاکھوں ترک یورپی علاقوں سے ہجرت کر کے ترکی آنے پر مجبور ہوئے۔ جنگ بلقان کو ختم ہوئے ابھی مشکل سے ایک سال گذرا تھا کہ اگست ۱۹۱۴ء میں پہلی جنگ عظیم شروع ہو گئی۔ شروع میں تو ترکوں نے غیر جانبدار رہنے کی کوشش کی لیکن جرمنی کے حامی گروپ کے دباؤ کے تحت جس کی قیادت انور پاشا کر رہے تھے ۳۰ اکتوبر ۱۹۱۴ء کو عثمانی سلطنت کو بھی جرمنوں کے حلیف کی حیثیت سے جنگ میں شامل ہونا پڑا۔

جنگ عظیم کے دوران ترکوں کو چار محاذوں پر لڑنا پڑا یعنی درہ دانیال[1] یا گیلی پولی، جزیرہ نمائے سینا، عراق[2] اور قفقاز۔[3] ترکوں کو سب سے زیادہ خطرہ روس کی طرف سے تھا، جس کی سرحدیں مشرقی ترکی سے ملتی تھیں۔ مشرقی ترکی اور قفقاز کا ہی محاذ تھا جہاں ترکوں کو جنگِ عظیم کی خونریز ترین لڑائیاں لڑنی پڑیں اور جن کے دوران لاکھوں ترک شہید ہو گئے اور مشرقی ترکی کا ایک بڑا حصہ تباہ و برباد ہو گیا۔ صرف سری کمش (SARIKAMIS) کے معرکوں میں جنوری ۱۹۱۵ء میں ساٹھ ہزار ترک فوجی جنگ کرتے ہوئے یا برف میں شدتِ سرما سے اکڑ کر شہید ہو گئے، تیس ہزار ترک زخمی ہو گئے اور سات ہزار قید۔

[1] محمد عزیز، دولت عثمانیہ حصہ دوم ص ۲۲۵ - دار المصنفین، اعظم گڈھ ۱۹۴۳ء۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ان کے علاوہ صوبہ قرص (KARS) اور نواحی علاقوں میں چالیس ہزار مسلمان بوڑھے، بچے اور عورتیں روسیوں کے قتلِ عام میں کام آئے[1]۔ سری کمش کی جنگ کے ایک سال بعد روسی فوجیں گرانڈ ڈیوک نکولس کی قیادت میں مشرقی ترکی میں داخل ہونے میں کامیاب ہوگئیں۔ روسی فوجیں جن کی تعداد ترکوں کے مقابلے میں تین گنی زیادہ تھی پسینلر (PASINLER) کی جنگ میں ترکوں کو شکست دے کر ۱۶ / فروری ۱۹۱۶ء کو ارضِ روم کے شہر میں داخل ہوگئیں۔

استاد بدیع الزمان سعید نورسی جنگ کے آغاز ہی میں وان (VAN) میں موجود تھے، جو قفقاز کے محاذ سے زیادہ دُور نہیں تھا۔ رُوسی حملے کے فوراً بعد انہوں نے اپنی خدمات بحیثیت ایک رضاکار پیش کر دیں۔ ان کو رضاکاروں کے ایک دستہ کا جو اُن کے اپنے طلبہ اور شاگردوں پر مشتمل تھا، کمانڈر بنا دیا گیا۔ جنگ کے دوران سعید نورسی نے جس حیرت انگیز جرأت، جنگی مہارت، بہادری اور اخلاقی کردار کا مظاہرہ کیا اس کی مثال علماء کی زندگیوں میں کم ملے گی۔ انہوں نے اس جنگ میں ثابت کر دیا کہ وہ صرف صاحبِ قلم ہی نہیں بلکہ صاحبِ سیف بھی ہیں اور یہ کہ مسجد کا منبر اور گھوڑے کی پیٹھ ان کے لیے برابر ہے۔

وان پر جب رُوسیوں نے حملہ کیا تو استاد نے اپنے مدرسے کی قلعہ بندی کر لی تاکہ وہ آخر وقت تک مقابلہ جاری رکھیں یہاں تک کہ جان دے دیں۔ لیکن وان کے والی جودت بے کے شدید اصرار پر ان کو وان خالی کر کے قصبہ وستان (VASTAN) کی طرف پسپائی اختیار کرنے پر مجبور ہونا پڑا۔ اس کے بعد جب روس کے کاسک سواروں کے ایک دستے نے وستان پر بھی حملہ کر دیا تو استاد سعید نورسی نے اپنے رضاکاروں کو لے کر اور تیس چالیس فوجیوں کی مدد سے جو وہاں موجود تھے کاسکوں کا مقابلہ کیا اور انخلاء کر دینے والے لوگوں کے مال و جائیداد اور بچوں کی حفاظت کی۔ وہ رات کے وقت کاسکوں کے اونچے ٹیلے پر بار بار چھاپے مارتے تھے اور اس طرح وہ روسیوں پر ظاہر کرنا چاہتے تھے کہ وستان کی حفاظت کے لیے ایک بڑی فوج موجود ہے اور یہ کہ اس کو بار بار کمک پہنچ رہی ہے۔ اُن کی اس تدبیر سے وستان روسیوں کے قبضے میں جانے سے بچ گیا۔

اس دوران میں روسی فوج کے تین دستوں نے وان اور موش پر قبضہ کرنے کے بعد تبلیس (BITLIS)

---

[1] کمال لذکی گنج عثمان: ترک داستانلری ص ۲۰۰ (حریت یاینلری، استنبول ۱۹۶۲ء)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

پر حملہ کر دیا۔ بتلیس کے والی ممدوح بے اور کمانڈر کیل علی نے اس موقع پر استاد بدیع الزمان سے مشورہ کیا اور بتایا کہ ہمارے پاس چونکہ صرف ایک بٹالین فوج اور دو ہزار رضا کار ہیں اس لیے ہم پسپا ہونے پر مجبور ہیں۔ آپ کی اس بارے میں کیا رائے ہے۔ استاد نے جواب دیا:

"ایسی صورت میں اطراف سے آکر پناہ لینے والے اور بتلیس کے لوگوں کا مال اور جائیداد عورتیں اور بچے دشمنوں کے قبضے میں چلے جائیں گے۔ ہمارے لیے ضروری ہے کہ ہم کم از کم پانچ دن تک دشمن کو اور روکے رکھیں تاکہ لوگوں کو بستی سے نکالا جاسکے۔"

والی نے اس پر کہا کہ:

"موکش کے سقوط کے بعد وہاں کی تیس توپیں ہمارے فوجی اس طرف لانے کی کوشش کر رہے ہیں۔ اگر آپ ان رضاکاروں کی مدد سے ان توپوں کو ہمارے پاس پہنچا دیں تو پھر ہم ان توپوں کی مدد سے چند دن اور دشمن کا مقابلہ کر سکیں گے۔"

استاد بدیع الزمان نے وعدہ کیا کہ وہ ان توپوں کو لانے کی پوری کوشش کریں گے۔ وہ یا تو ان توپوں کو لے آئیں گے یا اپنی جان دے دیں گے۔ چنانچہ استاد تین سو رضاکار طلبہ کو لے کر توپوں کو بچا کر لانے والے فوجیوں کی مدد کے لیے دوڑ پڑے۔ انہوں نے اس موقع پر بھی تدبیر سے کام لیا اور روسیوں کو خوفزدہ کرنے کے لیے اپنے جاسوسوں کے ذریعے طرح طرح کی خبریں پھیلانی شروع کر دیں۔ مثلاً انہوں نے ایک خبر یہ پھیلائی کہ بتلیس کا دفاع کرنے والے رضاکاروں کا کمانڈر تین ہزار فدائیوں کے ساتھ اور پہاڑی علاقے کا ایک سردار موسٰی بے ایک ہزار افراد کے ساتھ توپوں کو بچانے کے لیے آرہا ہے۔

اس قسم کی خبروں کے عام ہوجانے کے بعد کاسکوں کا کمانڈر ڈر گیا اور آگے نہیں بڑھا۔ استاد نے اس دوران رضاکاروں کی مدد سے ایک ایک دو دو توپیں بتلیس روانہ کرنا شروع کر دیں اور اس طرح تمام توپوں کو دشمن کے ہاتھ میں جانے سے بچا لیا۔ ان تیس توپوں کی مدد سے فوجی اور رضاکار تین چار دن تک بتلیس کا دفاع کرتے رہے اور اس دوران میں شہر کے باشندوں نے اپنے مال و دولت کو ساتھ لے کر شہر خالی کر دیا۔

استاد سعید نورسی لوگوں کی طرف سے شہر خالی کر دینے کے بعد بھی بتلیس میں مقیم رہے۔ کیونکہ شہر میں اب بھی بہت سے لوگ ایسے رہ گئے تھے جو شہر خالی نہیں کر سکتے تھے۔ استاد یہ گوارا نہیں کر سکتے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تھے کہ ان کو دشمن کے رحم و کرم پر چھوڑ دیں۔ وہ جاں نثار طلبہ کی ایک تعداد کے ساتھ بتلیس میں رہ گئے اور خود کو فدا کر دینے کا فیصلہ کر لیا۔ شہر رات ہی کو خالی کر دیا گیا تھا۔ صبح جب دشمن شہر میں داخل ہوا تو استاد کے رضا کاروں سے اس کا تصادم ہو گیا جس میں استاد کے بیشتر ساتھی شہید ہو گئے۔ ان کا بھتیجہ عُبید بھی جو ایک دلیر طالب علم تھا شہید ہو گیا۔ استاد نے زندہ بچ جانے والے تین طلبہ کے ساتھ دشمنوں کی صفوں میں سے گذر کر نکل جانے کی کوشش کی۔ لیکن روسی فوجیں تمام راستوں پر قابض تھیں۔ استاد نے ایک نہر کے اندر سے گزرنے کی کوشش کی اور اس مقصد کے لیے ایک بلند جگہ سے نہر میں چھلانگ لگا دی، لیکن رات کا وقت تھا صحیح اندازہ نہ ہو سکا اور وہ نہر کے کنارے ایک چٹان پر آ کر گرے جس سے ان کی ایک ٹانگ ٹوٹ گئی۔ قریب ہی ایک مکان کی اوپر کی منزل میں روسی فوجی موجود تھے اور نیچے استاد پانی اور کیچڑ میں بندوق سنبھالے اپنے ساتھیوں کے حوصلے بڑھا رہے تھے۔ وہ کہہ رہے تھے:

"ہم صرف اس وقت گولی چلائیں گے جب دشمن بڑی تعداد میں آئے گا۔ ہم کو پکڑنے کے لیے اس کو بڑی قیمت ادا کرنی پڑے گی، اس کو ہم اپنی تلواروں پر رکھ لیں گے۔"

استاد سعید نورسی تینتیس ۳۳ گھنٹے تک اسی طرح پانی اور کیچڑ میں بیٹھے رہے۔ وہ روسیوں کو دیکھ رہے تھے لیکن روسی ان کو نہیں دیکھ سکتے تھے۔ استاد نے کوشش کی کہ کم از کم ان کے ساتھی کسی طرح اپنی جان بچا لیں اس لیے انہوں نے اپنے ساتھیوں سے کہا:

"بھائیو! آپ اب یہاں نہ ٹھہریے، مجھ کو میرے حال پر چھوڑ دیجیے اور آپ لوگ خاموشی سے کھسک جائیے۔"

لیکن ایسے جان نثار استاد کے شاگرد بزدل نہیں ہو سکتے تھے۔ انہوں نے اس پیش کش کو قبول نہیں کیا اور کہا:

"ہم شہید ہو جائیں گے اور آپ پر اپنی جانیں فدا کر دیں گے، لیکن آپ کو اس حالت میں چھوڑ کر نہیں جائیں گے۔"

اب زیادہ دیر روپوش رہنا ممکن نہیں رہا۔ استاد اور ان کے ساتھیوں نے جب نکلنے کی کوشش کی تو روسیوں کے ایک دستے نے جو پچاس سپاہیوں پر مشتمل تھا، ان کو گھیر کر گرفتار کر لیا۔

مشہور ترک مصنف اور صحافی اشرف ادیب لکھتے ہیں کہ ارمنی اپنی جان نثاری میں مشہور تھے۔ ان کے بارے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

میں کہا جاتا تھا کہ ارمنی فدائیوں کے بھیس سے جلا دو، ان کو آگ پر کھڑا کر دو، ان کی آنکھیں پھوڑ دو لیکن وہ اپنا راز پھر بھی نہیں بتائیں گے۔ لیکن روسیوں کا کہنا تھا کہ ملا سعید کے رضا کار، ارمنی فدائیوں سے بھی بازی لے گئے۔

جہاں تک استاد سعید نورسی کی جرأت اور بے جگری کا تعلق ہے، ان کا یہ حال تھا کہ جنگ کے دوران وہ خندق میں پناہ نہیں لیتے تھے۔ وہ رضا کاروں کا حوصلہ بڑھانے کے لیے خندق کے سامنے، دشمن کی زد میں بے خوفی کے ساتھ پھرتے رہتے تھے۔ چار مرتبہ ایسا ہوا کہ گولے ان کے پاس گرے۔ لیکن اس کے باوجود نہ وہ پیچھے ہٹتے تھے اور نہ خندق میں جاتے تھے۔ بتلیس کے والی ممدوح بے اور کمانڈر کیل علی کو جب اس کی خبر ہوئی تو انہوں نے استاد کے پاس پیغام بھیجوایا کہ وہ پیچھے آ جائیں، لیکن استاد نے صاف انکار کر دیا اور کہلوا دیا کہ آپ پریشان نہ ہوں۔ ان کافروں کی گولیوں سے میں نہیں مر سکتا۔ حالانکہ گولوں کے ٹکڑوں سے وہ زخمی بھی ہو گئے تھے۔ ایک ٹکڑا ان کے تمباکو کے ڈبے میں لگا اور دوسرا گلے میں۔

ارمنی عورتوں اور بچوں کا تحفظ

جنگ کے دوران استاد سعید نورسی نے جہاں دشمنوں سے اپنی بہادری کا لوہا منوایا وہاں انہوں نے اپنے کردار کی بلندی کی دھاک بھی بٹھا دی۔ ان کے کردار کی اس بلندی کا سب سے بڑا ثبوت ان کا وہ طرز عمل ہے جو انہوں نے مشرقی ترکی میں آباد ارمنی عیسائی باشندوں کے ساتھ اختیار کیا۔ ارمنی اور ترک باشندوں میں عہد قدیم سے دشمنی[1] چلی آ رہی ہے۔ عہد قدیم میں مشرقی ترکی عظیم آرمینیہ کا ایک حصہ تھا اور پہلی جنگ عظیم تک مشرقی ترکی کے کئی صوبوں میں ارمنی نسل کے باشندے بڑی تعداد میں موجود تھے۔ اگرچہ اکثریت ان کو ایک بھی صوبے میں حاصل نہ تھی۔ جنگ عظیم چھڑ جانے کے بعد جب روس

---

[1] ترکی میں آباد ارمنی باشندوں کا مسئلہ موجودہ جمہوریت کے قیام سے پہلے تک سلطنت عثمانیہ کا ایک اہم مسئلہ رہا ہے اور اس پر ترکی زبان میں بہت لکھا گیا ہے۔ اس موضوع پر ذیل کی کتابیں قابل مطالعہ ہیں:

1- SADI KOÇAŞ: TARIH BOYUNCA ERMENILER VE TÜRKERMENI ILIŞKILERI (سعدی کوچاش ارمنوں کی تاریخ اور ترکوں اور ارمنوں کے تعلقات) انقرہ ۱۹۶۶ء۔

2- ABDULLAH YAMAN: ERMENI MESELESI VE TÜRKIYE (عبداللہ یامان: ارمنی مسئلہ اور ترکی) استنبول ۱۹۷۳ء۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نے ترکی پر حملہ کر دیا تو روسی آرمینیہ کے باشندوں کو عظیم تر آرمینیہ کے خواب کی تعبیر حاصل کرنے کا سنہرا موقع ہاتھ آ گیا ۔ اس موقع پر ترکی کے ارمنی باشندوں نے بھی روسی فوجوں کا خیر مقدم کیا اور ان کے تعاون سے مقبوضہ علاقوں کے ترکوں کا قتل عام شروع کر دیا ، تاکہ ترکوں کو اقلیت میں تبدیل کر کے ترکی علاقوں کو عظیم تر آرمینیہ میں شامل کر لیا جائے ۔ ارمنی اس قتل عام کے دوران ترک عورتوں اور بچوں تک پر رحم نہیں کھاتے تھے اور ان کو بے دریغ قتل کر دیتے تھے ۔ اس کے جواب میں بعض اوقات ترک بھی ارمنوں کے ساتھ ایسا ہی سلوک کرتے تھے ۔

استاد بدیع الزمان سعید نورسی کا یہ عظیم کارنامہ ہے جو انسانیت کی تاریخ میں ہمیشہ زریں حروف سے لکھا جائے گا کہ انہوں نے اپنے زیر اثر علاقوں میں پوری قوت سے مسلمانوں کو عورتوں اور بچوں کے قتل سے روکا ۔ اس زمانے میں ترکی میں ارمنی باشندے سب سے زیادہ صوبہ بتلیس میں آباد تھے جہاں ان کا تناسب ۳۳ فیصد یا ایک تہائی تھا ۔ اس کے بعد وہ سب سے زیادہ ارض روم میں تھے یعنی ۲۰ فیصد اور پھر وان میں تھے جہاں ان کا تناسب ۱۹ فیصد تھا۔[1]

استاد بدیع الزمان نے ترک فوجیوں اور مسلمانوں کو سمجھایا کہ شرعاً عورتوں اور بچوں کا قتل جائز نہیں ہے ۔ استاد نے نہ صرف ارمنی عورتوں اور بچوں کی جانیں بچائیں بلکہ ان کو ہزاروں کی تعداد میں حفاظت کے ساتھ روسی علاقے میں موجود ارمنوں کے پاس پہنچا دیا ۔ استاد سعید نورسی کا یہ وہ اعلیٰ کردار تھا جس سے ارمنی باشندے بھی متاثر ہوئے بغیر نہ رہے ۔ چنانچہ انہوں نے بھی مسلمان عورتوں اور بچوں کو قتل کرنا بند کر دیا ۔ وہ کہتے تھے کہ چونکہ ملا سعید نے ہماری عورتوں اور بچوں کو قتل نہیں کیا اس لیے ہم بھی آئندہ مسلمان بچوں کو قتل نہیں کریں گے ۔

اس طرح استاد بدیع الزمان سعید نورسی کی کوششوں اور اسلامی احکام پر ان کے عمل کرنے سے ہزاروں معصوموں اور بے گناہوں کی زندگیاں بچ گئیں ۔

اس جگہ یہ بات قابل ذکر ہے کہ جنگ اور تباہی کے اس ماحول میں بھی استاد درس و تدریس اور وعظ و نصیحت اور تصنیف و تالیف کی طرف سے غافل نہیں رہے ۔ وہ جب تک وان میں رہے اپنے مدرسہ میں

---

[1] سعدی کوچاش : ارمنوں کی تاریخ اور ترکوں اور ارمنوں کے تعلقات (ترکی زبان) ص ۲۵۵ ۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

درس دیتے رہے اور جب وہاں سے نکلے تو بھی اس سلسلے کو جاری رکھا۔ حیرت انگیز بات تو یہ ہے کہ انہوں نے اپنی ایک بہترین کتاب "اشارۃ الاعجاز" جو قرآن حکیم کی تفسیر ہے اسی جنگ کے زمانے میں تالیف کی۔ وہ یہ تفسیر اپنے ایک جاں نثار رفیق کاتب ملا حبیب کو املا کرواتے رہتے تھے جو کردستان کے مقام پہ داد شجاعت دیتے ہوئے شہید ہو گئے۔ یہ تفسیر اس طرح لکھی گئی کہ استاد کبھی گھوڑے کی پیٹھ پہ ہوتے تھے، کبھی خندق میں اور کبھی محاذ جنگ پر۔

استاد بدیع الزمان سعید نورسی کی جنگی خدمات کا عثمانی حکومت نے سرکاری طور پہ اعتراف کیا۔ پِتلِس کے محاذ پہ انہوں نے جو خدمات انجام دیں ان کا اعتراف خود انور پاشا نے کیا۔ صالح ییشیل (YESIL) نے جو ارض روم سے عثمانی پارلیمنٹ کے ممبر تھے، وزیر داخلہ کو ایک خط کے ذریعے بتایا کہ استاد نے ان لڑائیوں میں کس دلیری سے جنگ کی۔ انہوں نے خط میں یہ بھی لکھا کہ قفقاز کے برفانی پہاڑوں میں جنگ کرنے پہ استاد کو ایک تمغہ بھی دیا گیا۔

روس کے نظر بندی کیمپ میں

استاد بدیع الزمان اور ان کے ساتھیوں کو گرفتار کرنے کے بعد روسی ان کو ایک عمارت میں لے گئے جہاں دوسری روسی فوج کا ہیڈ کوارٹر تھا۔ وہاں ان کی ٹانگ پہ پلستر چڑھایا گیا اور دو ہفتے تک ان سے طرح طرح کے سوال وجواب کیے گئے۔ روسیوں کے سوالوں کے جواب وہ اس سختی سے دیتے تھے کہ ان کے ساتھی خوفزدہ ہو جاتے تھے اور یہ سمجھنے لگتے تھے کہ اب ان کو گولی مار دی جائے گی۔ ستائیسویں[۲۷] دن استاد کو ایک دوسری عمارت میں منتقل کر دیا گیا۔ اس کے بعد ان کے ساتھی روس بھیج دیے گئے لیکن استاد کو ٹانگ کی وجہ سے کچھ دن وہیں رکھا۔ صحت یاب ہونے کے بعد استاد کو بھی براہ وان اور خوئی (ایران) اور اس کے بعد بذریعہ ریل جُلفا، طِفلِس اور کول گریو (KOLGRIF) کے راستے شمالی روس کے شہر کوسترما[۱] (KOSTROMA) پہنچا دیا گیا جہاں قیدیوں کا سب سے بڑا کیمپ واقع تھا۔ اس کیمپ میں اُن کے ساتھ نوّے (۹۰) دوسرے ترک قیدی بھی نظر بند تھے۔

کوسترما کے اس کیمپ میں ایک دن روسی کمانڈر قیدیوں کا معائنہ کرنے کے لیے آیا۔ اسے دیکھ کر

[۱] غالباً یہ وہی شہر ہے جو روس کے نقشے میں ماسکو کے شمال مشرق اور گورکی کے شمال مغرب میں والگا کے کنارے کوسترما کے نام سے نظر آتا ہے اور جس کی آبادی اس وقت دو لاکھ سے زیادہ ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تمام قیدی کھڑے ہو گئے۔ مگر استاد نے کھڑا ہونا تو بڑی بات ہے اس کی طرف نگاہ تک نہیں اُٹھائی۔ کمانڈر کو یہ بات ناگوار گزری۔ وہ یہ خیال کر کے کہ شاید استاد نے اس کو پہچانا نہیں دوبارہ ان کے سامنے سے گزرا۔ لیکن استاد پھر بھی کھڑے نہیں ہوئے۔ کمانڈر نے ترجمان کے توسط سے استاد سے پوچھا کہ کیا تم نے مجھے نہیں پہچانا؟ استاد نے جواب دیا ہاں میں پہچانتا ہوں۔ آپ نکولا نکولا وچ ہیں۔ کمانڈر نے کہا اگر ایسا ہے تو تم نے روسی فوج اور زار روس کی توہین کی ہے۔ استاد نے جواب دیا کہ نہیں میں نے توہین نہیں کی ہے۔ میں ایک عالم دین ہوں اور ایک صاحب ایمان شخص اُس شخص سے برتر ہوتا ہے جو اللہ کو نہیں پہچانتا۔ اس وجہ سے میں تمہارے احترام میں نہیں کھڑا ہوا۔

بہرحال استاد کو اس گستاخی کی پاداش میں کورٹ مارشل کے سپرد کر دیا گیا۔ استاد کے بہی خواہوں نے استاد کو سمجھانے کی کوشش کی کہ وہ کوئی عذر پیش کر دیں تاکہ وہ کسی سنگین خطرے سے بچ جائیں لیکن استاد نے نہیں مانا اور کہا:

"ان کی سزائے موت کا فیصلہ میرے لیے ابدی عالم کی سیاحت کرنے کے لیے ایک پاسپورٹ کی حیثیت رکھتا ہے۔"

آخر کار فوجی عدالت نے سزائے موت کا فیصلہ دیا۔ استاد نے سزا پہ عمل ہونے سے پہلے نماز پڑھنے کی اجازت چاہی۔ جب انہوں نے نماز پڑھ لی تو اعلان کیا گیا کہ اب وہ گولی کھانے کے لیے تیار ہو جائیں۔ لیکن ٹھیک اس موقع پہ وہی کمانڈر آگے بڑھا اور آپ سے معافی مانگتے ہوئے کہا:

"میں آپ کے اُس دین کا احترام کرتا ہوں جس نے آپ کو اس حد تک خود دار بنا دیا ہے۔"

اس کے بعد کمانڈر نے سزائے موت کا فیصلہ واپس لے لیا۔

استاد سعید نورسی نظربندی کے زمانے میں بھی بے کار نہیں رہے۔ وہ اُن نوّے[9] قیدیوں کو جو ان کے ساتھ نظربند تھے باقاعدگی سے درس دیتے تھے۔ روسی کمانڈر نے یہ سمجھ کر کہ یہ سیاسی درس ہے، درس دینے سے روک دیا۔ لیکن جب اس کو معلوم ہوا کہ یہ دینی درس ہے تو اجازت دے دی۔

سعید نورسی نے اپنی کتاب لمعہ (لمعات) کی تیرھویں رجا (دعا) میں اپنی اس نظربندی کا حال بیان کرتے ہوئے لکھا ہے:

"ہمارے کیمپ کے پاس جو دریائے والگا کے کنارے تھا تاتاریوں کی ایک مسجد تھی۔ میں کیمپ میں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ساتھیوں کی موجودگی کے باوجود اُکتا گیا تھا اور تنہائی کا خواہش مند تھا۔ لیکن اجازت کے بغیر کیمپ نہیں چھوڑ سکتا تھا۔ بعد میں تاتاریوں نے میری ذمہ داری قبول کر لی اور اپنی مسجد میں منتقل کر لیا۔ اب میں تنہا رہنے لگا۔ لیکن شمالِ بعید کی راتیں بہت لمبی ہوتی تھیں۔ موسم بہار ابھی آیا نہیں تھا۔ میں بیشتر راتوں میں جاگتا رہتا تھا۔ رات کی تاریکی میں ہوا کی افسردہ کن سنسناہٹ، بارش کی طویل اور اُداس بوندوں کی ٹپا ٹپ اور دریائے والگا کے پانی کی وحشت ناک آواز مجھے سونے نہیں دیتی تھی۔ میں نے کبھی خود کو اتنا بوڑھا محسوس نہیں کیا جتنا اس وقت محسوس کرنے لگا تھا۔ میری عمر صرف چالیس سال تھی لیکن میں خود کو اسّی سالہ بوڑھا محسوس کرتا تھا۔ کہا جاتا ہے کہ عالمی جنگ سے واپس آنے والا انسان بوڑھا ہو کر واپس آتا ہے۔ پھر طویل راتوں کی تاریکی اور وطن کی یاد نے مجھے مایوسی کا شکار کر دیا۔ میں اپنی تنہائی پر غور کرتا رہتا تھا۔ یہ حالات تھے کہ قرآن مجید میری مدد کو آیا اور زبان اس آیت کو دہرانے لگی:

حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْل

اور دل سے دُعا نکلی:

غریبم بے کسم ضعیفم ناتوانم
الاماں گویم، عفو جویم، مدد خواہم ز درگاہت الٰہی[1]

اللہ نے ان کی دُعا جلد ہی سن لی اور استاد دُعا کے چند روز بعد ہی معجزانہ طور پر کیمپ سے نکلنے میں کامیاب ہو گئے۔ ہوا یہ کہ اکتوبر ۱۹۱۷ء میں روس میں اشتراکی انقلاب آگیا اور اس کے نتیجے میں جو ہنگامے شروع ہوئے استاد سعید نورسی ان سے فائدہ اٹھا کر کیمپ سے فرار ہو گئے۔ پہلے وہ لینن گراڈ پہنچے جو اس وقت سینٹ پیٹرس برگ کہلاتا تھا اور جہاں بقول اُن کے گرمیوں کی راتیں دن کی طرح روشن تھیں۔ یہاں سے وہ جرمنی کی سرحد پر پہنچے اور جرمن فوجیوں سے اپنا تعارف کرایا۔ ان فوجیوں کو جب معلوم ہوا کہ استاد سعید نورسی ایک ترک فوجی افسر ہیں اور قید سے فرار ہو کر آئے ہیں تو انہوں نے

---

[1] میں غریب اور بیکس ہوں، ضعیف اور ناتواں ہوں۔ اے اللہ میں تیری درگاہ سے اماں چاہتا ہوں، تجھ سے معافی مانگتا ہوں اور تیری مدد کا خواستگار ہوں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ان کو سلامی دی اور اپنے کمانڈر کے پاس لے گئے جس نے استاد کا ادب اور احترام کے ساتھ خیر مقدم کیا۔ اس کے بعد استاد وارسا اور ویانا کے راستے آسانی سے ۱۳۳۶ھ / ۱۹۱۸ء میں استنبول پہنچ گئے۔

استاد کہتے ہیں کہ میں نے یہ طویل سفر اللہ کی عنایت سے طے کیا۔ کیونکہ میں روسی نہیں جانتا تھا اور سفر اتنا طویل تھا کہ اگر اس کو پیدل طے کیا جاتا تو روسی جاننے والے کے لیے بھی مشکل پیش آتی اور ایک سال صرف ہو جاتا۔ لیکن اللہ کی عنایت سے میں نے یہ سفر آسانی سے طے کر لیا[1]۔

استاد نے روس کی قید میں ڈھائی سال گزارے۔

---

[1] نجم الدین ساہینر: بدیع الزمان سعید نورسی کی زندگی کے نامعروف پہلو

NECMEDDIN SAHINER: BILINMIYEN TARAFLARIYLA BEDUZZAMAN)

(SAID NURSI (TAKIHCEI HAYAT) بحوالہ ماہنامہ نور (انگریزی) جنوری ۱۹۶۰ء نیز تاریخچہ حیات

مرتبہ سعید اوزمیر و تحسین تولا اور سعید نورسی کی کتاب لمعلر۔

© rasailojaraid.com